© rasailojaraid.com

ایمان کا قرآنی تصوّر

نذیر احمد علائی☆

قرآن میں ایمان کے معنی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ......﴾ (الشوریٰ:۵۲)

''(اے نبی ﷺ!) تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ (یہ جانتے تھے کہ) ایمان (کیا ہے)۔''

اس آیت کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ''ایمان و اعمالِ ایمانیہ کی تفاصیل جو بذریعہ وحی معلوم ہوئیں۔ نفسِ ایمان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف تھے''۔ اس سے یہ مطلب نکلا کہ تشریعی ایمان میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

لفظ 'ایمان' قرآن میں متعدد بار آیا ہے' جیسے: ﴿أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ......﴾ (المجادلة:۲۲) ''یہی (وہ پکے مسلمان) ہیں جن کے دلوں میں (اللہ نے) ایمان ثبت کر دیا ہے......'' ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ......﴾ (الحشر:۹) ''وہ لوگ (انصار) جو ان (مہاجرین) سے پہلے دار الاسلام میں مقیم ہیں اور ایمان لا چکے ہیں......'' ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ......﴾ (الروم:۵۶) ''اور (اُس وقت) کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا......''

ان آیات کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق ایمان نجاتِ اخروی کے لیے کافی نہیں جب تک کہ اس کے تمام تقاضے پورے نہ کیے جائیں۔

ایمان کی اہمیت و ضرورت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ لفظ ایمان قرآن پاک میں کم و بیش ۴۵ مقامات پر آیا ہے' اور قرآن نے جس ایمان کی ترغیب دی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا حقیقی اور خالص اسی کا بندہ بن جائے' اس لیے با ایمان شخص کی کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ ایمان اس کو گوشہ نشینی سے نکال کر دُنیوی سرگرمی میں شامل کر دے۔

ایمان اور عمل

ایمان کا تعلق بنیادی عقائد سے ہے اور اسلام کا تعلق عبادات و احکامات سے ہوتا ہے' یعنی ایمان کا تعلق عقائد اور اسلام کا تعلق اعمال سے ہے' جیسے قرآن میں متعدد مقامات پر ''اٰمَنُوْا'' کے ساتھ ''وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ''

☆ ریسرچ سکالر' شعبہ دینیات' سنی' مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اہتمام والتزام کے ساتھ آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اس لحاظ سے ہر مؤمن کے ایمان کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اس سے اعمال صالحہ لازماً وجود پذیر ہوں۔

تدبّر کی اہمیت

ایمان میں سب سے زیادہ اضافہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کتاب اللہ پر مسلسل تدبّر وتفکّر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنے ایمان کو تازہ وشاداب رکھنے کا اہتمام والتزام نہیں کرتے' ان کا ایمان دیکھ بھال سے محروم ہونے کے سبب سے جلد فنا ہو جاتا ہے۔ گویا یہ اس پودے کی مثال ہے جو اتفاق سے ان کے آنگن میں اُگ گیا' لیکن نہ اس کو کبھی پانی کی اور نہ کبھی کھاد کی شکل دیکھنی نصیب ہوئی' نہ کبھی اس کی گڑائی ہوئی اور نہ کبھی اس کو ناموافق ہواؤں اور تباہ کرنے والی بیماریوں سے بچانے کی سعی کی گئی۔

یوں تو اللہ تعالیٰ بہتوں کو ایمان بخش دیتا ہے' لیکن یہ ایمان پروان انہی لوگوں کے اندر چڑھتا ہے جو اس کی قدر وقیمت پہچانتے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ⑦﴾ (ابراھیم)

''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا' اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔''

چنانچہ کسی فرمانِ الٰہی کی قدردانی اور کسی نعمت کی صحیح شکر گزاری یہ ہے کہ اس کی دل سے قدر کی جائے اور اس کا حق ادا کیا جائے۔ اور اگر اس کا حق ادا نہ کیا جائے تو آدمی نہ صرف اس کے فائدہ سے محروم رہتا ہے' بلکہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ وہ اس کی اصل سے بھی محروم ہو جائے' جس کی تصریح قرآن نے یوں فرمائی ہے کہ مطلق خسارے سے بچنے کے لیے آدمی کو چار چیزوں پر عمل کرنا ضروری ہے: ایمان' عمل صالح' حق کی تلقین اور صبر کی تلقین۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ③﴾ (العصر)

''قسم ہے زمانے کی' بے شک انسان صریح خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے' انہوں نے نیک اعمال کیے' ایک دوسرے کو حق کی تاکید' اور صبر کی تلقین کی۔''

اس لحاظ سے اگر یہ چار اوصاف کسی انسان کے اندر نہ ہوں تو وہ اصل سے بھی محروم ہو سکتا ہے۔ نیز صبر انسان کی کامیابی کے لیے ضروری ہے' کیونکہ صابر انسان سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور انسان بڑی سے بڑی پریشانی سے بچ جاتا ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴿۵۳﴾﴾ (الاعراف) ''وہ تو اپنے آپ کو برباد کر چکے' اور جو افترا وہ کرتے تھے وہ ان سے گم ہو گیا''۔ مذکورہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے بدی کمائی ہے۔

ایمان کی دو تصویریں

قرآن کریم سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ شدائد ومصائب کے مقابلے میں اپنے ایمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر ثابت قدم رہتے ہیں اللہ ان کے ایمان میں اضافہ کرتا ہے' کیونکہ آزمائشیں ایمانی ظہور واضافہ ہی کے لیے آتی ہیں۔ اللہ کی سُنّت ہمیشہ یہی رہی ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یوں ہی چھوڑ نہیں دیے جاتے ہیں' بلکہ وہ طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈال کر پرکھے جاتے ہیں' پھر اگر وہ اس میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو فبہا' ورنہ مؤمنوں کی فہرست سے ان کا نام خارج کر دیا جاتا ہے' کیونکہ قرآن نے ایمان کی دو تصویریں پیش کی ہیں:

مثبت تصورِ ایمان اور منفی تصورِ ایمان: اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے سلسلے میں صادق الایمان لوگوں کا سوچنے کا انداز بالکل حقیقت پر مبنی ہے' اس کے برعکس منافقوں کا سوچنے کا انداز اللہ کے وعدوں کے متعلق حقیقت سے بہت دور ہے۔ مثلاً منافقین جن باتوں سے ڈرتے اور دوسروں کو ڈراتے ہیں وہی باتیں مؤمنوں کے ایمان اور ان کے عزم وحوصلہ کو بڑھاتی ہیں۔ اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ درج ذیل قرآنی آیات میں بیان ہوا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾﴾ (احزاب)

''اور جب مؤمنوں نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہی تو ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا' اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا۔ اور اس بات نے ان کو نہیں بڑھایا مگر ایمان اور فرماں برداری میں۔''

اللہ تعالیٰ لوگوں کو آزما کر دیکھنا چاہتا ہے کہ ان میں کون صادق ہے اور کون کاذب۔ اُسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔ چنانچہ سورۃ العنکبوت میں فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣﴾﴾

''اور یقیناً ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا جو ان سے پہلے تھے' پس اللہ ظاہر کر کے رہے گا ان کو جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

اس طرح ایمان کا امتحان ہوتا ہے' جو ایمان کے جھوٹے مدعیوں اور سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیار کرنے والوں کا کردار ایک دوسرے کے مقابلہ میں پوری طرح نمایاں کر دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾﴾ (العنکبوت)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟''

دوسری جگہ آیا ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ (البقرة:٢١٤)

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات وواقعات وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے!''

آزمائش میں ثابت قدمی دکھانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے' سورۃ الکہف میں ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾﴾

''ہم ان کی خبر تم پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ چند جوان تھے جو اپنے ربّ پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھایا۔''

یہ آیت اصحابِ کہف کے بیان میں آئی ہے کہ وہ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہے' عزم بالجزم کے ساتھ رہے تو ان کی اس عزیمت کے نتیجہ میں اللہ نے ان کی قوتِ ایمانی میں اتنا اضافہ کر دیا کہ وہ تمام مشکلات کو برداشت کرنے کے پوری طرح اہل ہوئے' کیونکہ سچے اہلِ ایمان کبھی مرعوب نہیں ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾﴾ (آل عمران)

''یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوگئی ہیں' پس ان سے ڈرو! تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا اور انہوں نے کہا: اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

یعنی منافقین کے یہ ڈراوے اہل ایمان کو مرعوب ودہشت زدہ کرنے کے بجائے ان کے ایمان کو اور زیادہ بڑھاتے ہیں۔ اہل ایمان کی خصوصیات قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہیں' ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾﴾ (التوبة)

''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض (منافقین آپس میں) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا؟ تو جو لوگ واقعی ایمان والے ہیں وہ ان کے ایمان میں تو یقیناً اضافہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔''

یعنی جب بھی اَعداءِ اسلام اہل ایمان کی ایمان کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ ان رکاوٹوں کے مقابل میں اہل ایمان کا حال اس فرمانِ الٰہی کی سچی تعبیر ہوتا ہے: ﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾﴾ (الاحزاب)

یہ آیت کریمہ اہل ایمان کے اعلیٰ کردار کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کے بالمقابل منافقین کا سفلی کردار' کہ انہوں نے اللہ کے وعدوں کو فریب سمجھا۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢﴾﴾

''اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے جو وعدہ کیا' نرا دھوکا تھا۔''

اس آیت میں اللہ کے وعدے کا مطلب جو منافقین نے سمجھا' وہ یہ کہ بلا کسی آزمائش کے قیصر وکسریٰ کے خزانے مل جائیں' یعنی ایمان لاتے ہی دنیا کی فرمانروائی حاصل ہو جائے۔ اس کے برعکس جو مطلب سچے اہل ایمان نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھا وہ یہ کہ سخت آزمائشوں سے گزرنا ہوگا' گراں ترین قربانیاں دینی ہوں گی۔

اقرار باللّسان

لسانی ایمان کا تصور' یعنی جو لوگ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں ان کا حال قرآن نے یوں ذکر کیا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴿٨﴾﴾ (البقرۃ)

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یومِ آخر پر' درآں حالیکہ وہ مؤمن نہیں ہیں۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴿٤١﴾﴾ (المائدۃ)

''اے نبی (ﷺ) یہ لوگ تمہارے لیے باعث رنج نہ ہوں جو کفر کی راہ میں بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں ان لوگوں میں سے جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے ہیں۔ اور اسی طرح کے لوگ یہودیوں میں سے بھی ہیں۔ یہ جھوٹ کو بڑے ہی غور سے سنتے ہیں' اور یہ سنتے ہیں کچھ اور لوگوں کی خاطر جو تمہارے پاس نہیں آتے۔ وہ کلام کو پھیر دیتے ہیں اس کی جگہ سے اس کا موقع و محل معین ہو جانے کے بعد۔ وہ کہتے ہیں اگر تمہیں یہی (فیصلہ) مل جائے تو قبول کر لینا اور اگر یہ (فیصلہ) نہ ملے تو کنی کترا جانا۔ اور جس کو اللہ نے ہی فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو تم اس کے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا چاہا ہی نہیں۔ ان کے لیے دنیا بھر میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

یعنی دل سے ایمان نہیں لائے' جو حقیقت میں ایمان ہے' صرف زبان سے فریب دینے کے لیے اظہارِ ایمان کرتے ہیں۔ مزید برآں ان کی ایمانی کیفیت متزلزل رہتی ہے' تذبذب میں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون دوسری آیات میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۫ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴿١١﴾﴾ (الحج)

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے پر رہ کر۔ تو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس پر مطمئن رہتا ہے' اور اگر اسے کوئی آزمائش آ جائے تو اپنے منہ کے بل الٹا پھر جاتا ہے۔ وہ خسارے میں رہا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہی تو کھلا خسارہ ہے!''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾﴾ (البقرۃ)

”قریب ہے کہ بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں۔ جب بھی چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں‘ اور جب ان پر تاریکی طاری ہو جاتی ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٣﴾﴾ (المنٰفقون)

”یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوئے تو ان کے دلوں پر مہر لگ گئی‘ سو وہ سمجھتے نہیں!“

یعنی یہ لوگ صرف دنیوی غرض سے دین اسلام کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھتے ہیں تو بظاہر بندگی پر قائم نظر آتے ہیں اور اگر تکلیف ومصیبت پاتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی دنیا بھی گئی دین بھی گیا‘ کنارے پر کھڑے ہیں۔ اس طرح کی سوچ رکھنے والے لوگوں کی ایک ایمانی کیفیت یہ بھی ہے جس کو قرآن نے بایں الفاظ واضح کر دیا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾﴾ (النساء)

”کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کی طرف جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اس پر بھی جو (اے نبی ﷺ) تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا‘ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات کے فیصلے طاغوت سے کروائیں‘ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا کفر کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے۔“

اس اعتبار سے ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ اتمامِ حجت کا ذکر کر رہا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾﴾ (المنٰفقون)

”(اے نبی ﷺ!) ان پر برابر ہے کہ تم ان کے لیے بخشش مانگو یا ان کے لیے بخشش نہ مانگو۔ اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ بے شک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٨٠﴾﴾ (التوبۃ)

”(اے نبی ﷺ!) تم ان کے لیے استغفار کرو یا ان کے لیے استغفار نہ کرو (ان کے لیے برابر ہے)۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثالی مؤمن

ایمان کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ مؤمن کا اعلیٰ کردار ہے۔اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾﴾ (البقرۃ)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ آگاہ ہو جاؤ کہ وہی بیوقوف ہیں، لیکن انہیں علم نہیں۔''

مذکورہ آیت کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں کہ'' النَّاس '' سے یہاں مراد وہ مسلمان ہیں جو حضور ﷺ پر ایمان لائے تھے (تدبرِ قرآن، مولانا امین احسن اصلاحیؒ:۱/۱۲، تاج کمپنی، دہلی،۱۹۸۹ء) جبکہ علامہ طوسیؒ فرماتے ہیں کہ'' النَّاس ''میں تمام مؤمنین شامل ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾﴾ (البقرۃ)

''پھر (اے مسلمانو!) اگر وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اُسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تب وہ ہدایت پر ہوں گے۔اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو پھر وہی ضد پر ہیں۔تو (اے نبی ﷺ!) تمہارے لیے ان کے مقابلے میں اللہ کافی ہے۔اور وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

اس آیت کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں کہ''مثل'' سے مراد یہ ہے کہ جس طرح تمام مؤمنین رسل و کتب پر ایمان لائے۔یعنی اگر یہی کلمہ جامعہ وہ بھی قبول کر لیں، جس طرح تم تمام انبیاء اور تمام ہدایتوں پر ایمان لائے ہو اسی طرح یہ بھی ایمان لائیں تو بلاشبہ وہ راہ یاب ہوں گے۔یہ مفہوم اس صورت میں ہوگا جب مثل کو مثل ہی مان لیا جائے، لیکن جب مثل کو''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ ایمان لائے اُس پر جس ذات پر تم ایمان لائے ہو۔ (تدبرِ قرآن:۱/۳۴۹)

اسی طرح اور بھی آیات ہیں جو نمونہ مؤمن کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جیسے ایک حقیقی مؤمن کی پہچان یہ بھی ہے کہ اللہ کی آیات میں جو لوگ جھگڑتے ہیں ان سے سخت بیزار رہتا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾﴾ (المؤمن)

''جو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو۔یہ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے نزدیک اور ان کے نزدیک جو ایمان لائے۔اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح ایک حقیقی مؤمن کی پہچان یہ بھی ہے کہ جو وہ کہتا ہے اس کو کر گزرتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بہت ناپسند فرمایا ہے جو وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳﴾ (الصف)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔''

نیز جادوگروں نے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو نمونہ ایمان تسلیم کیا' جیسے:

﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝۷۰﴾ (طٰہٰ)

''پس گرا دیے گئے جادوگر سجدے میں' وہ پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب پر!''

یہی مضمون دوسری جگہ یوں آیا ہے:

﴿قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۴۸﴾ (الشعراء)

''وہ کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے ہیں' جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔''

مؤمن پر مؤمن کی فضیلت

مؤمن پر مؤمن کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ ایک مؤمن اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور دوسرا بیٹھا رہتا ہے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا مؤمن اللہ کی بخشش و مہربانی کے اعتبار سے زیادہ اونچا درجہ رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۹۵ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۹۶﴾ (النساء)

''برابر نہیں ہیں اہل ایمان میں سے بیٹھ رہنے والے بغیر عذر کے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) کے لیے نکلتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ اللہ نے فضیلت دی ہے ان مجاہدین کو جو اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والے ہیں' بیٹھے رہنے والوں پر' ایک بہت بڑے درجے کی۔ (اگرچہ) سب کے لیے اللہ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے۔ لیکن اللہ نے فضیلت دی ہے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر ایک اجر عظیم کی (صورت میں)۔ (اُن کے لیے) اُس کی طرف سے بلند درجات بھی ہوں گے اور مغفرت و رحمت بھی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

خلاصۂ بحث

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے ذہن میں یہ سوچ عام ہے کہ نجات کے لیے صرف چند باتوں کو مان لینا کافی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے' اَعمال واَخلاق کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ اس پر نجات کو منحصر سمجھیں۔ یہ خیال پہلے صرف چند فرقوں تک محدود تھا' لیکن موجودہ زمانے میں یہ اکثریت کا وطیرہ بن گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وعمل دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ اس سے اعمالِ صالحہ لازماً وجود پذیر ہوں۔ مفسرِ قرآن شیخ گیسودراز کا تفسیری نکتہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾﴾ (الصّٰفّٰت) ''ما'' موصولہ کی صورت میں ترجمہ ہو گا کہ'' اللہ نے تم کو تمہارے اعمال کے ساتھ پیدا فرمایا۔'' (شیخ گیسو دراز: شرح آداب المریدین' ص ٢٦)۔ صحیح بات بھی یہی لگتی ہے کہ جب مطلق طور پر برے خیال وسوچ پر کوئی مؤاخذہ' کوئی سزا نہ ہو گی جب تک کہ اس خیال پر عمل نہ ہو' اسی طرح سے علی الاطلاق ایمان لانے سے (صرف اقرار باللسان سے) انسان کو کامل فلاح وکامرانی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو۔

❁❁❁

بقیہ: ترجمۂ قرآن مجید

لَكُمْ: تمہارے لیے

مِّنَ الرُّسُلِ: رسولوں کے

تَقُوْلُوْا: تم کہو

مِنْۢ بَشِيْرٍ: کوئی بھی بشارت دینے والا

فَقَدْ جَآءَكُمْ: تو آ چکا ہے تمہارے پاس

وَّنَذِيْرٌ: اور خبردار کرنے والا

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ: ہر ایک چیز پر

عَلٰى فَتْرَةٍ: وقفہ پر

اَنْ: کہ (کہیں)

مَا جَآءَنَا: نہیں آیا ہمارے پاس

وَّلَا نَذِيْرٍ: اور نہ ہی کوئی خبردار کرنے والا

بَشِيْرٌ: ایک بشارت دینے والا

وَاللّٰهُ: اور اللہ

قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کی درمیانی مدت میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ برابر جاری رہا' اس میں کبھی وقفہ نہیں ہوا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کے درمیانی عرصہ میں سلسلہ انبیاء بند رہا۔ اس سے پہلے کبھی اتنا زمانہ انبیاء کی بعثت سے خالی نہیں رہا۔ اسی لیے اس زمانے کو زمانۂ فترۃ کہتے ہیں۔ (معارف القرآن)

❁❁❁

To read Nida,Mesaq and Hikmat and
For More Infomation Plz visit Our Webside

www.tanzeem.org

© rasailojaraid.com